دعوت

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

بسم اللہ الرحمان الرحیم

یہ وہ تقریر ہے جو ۹ مئی ۱۹۴۷ء کو دارالاسلام پٹھان کوٹ واقع مشرقی پنجاب میں کی گئی تھی۔ اس کے تین ہی مہینے بعد پورا مشرقی پنجاب مسلمانوں سے خالی ہو گیا اور جماعت اسلامی کو بھی اپنا مرکز چھوڑنا پڑا۔

رفقاء اور حاضرین، سب سے پہلے میں آپ حضرات کو خدا سے ڈرنے اور اس کی ناراضی سے بچنے اور اس کی خوشنودی چاہنے کی تلقین کرتا ہوں۔ ہماری اس دعوت کا سارا انحصار ہی تعلق باللہ اور توجہ الی اللہ پر ہے۔ کوئی شخص خدا کا کلمہ بلند کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا بلکہ سچ یہ ہے کہ خود راہ راست پر قائم بھی نہیں رہ سکتا، اگر خدا کا خوف اس کے دل میں نہ ہو اور تقویٰ کی گرفت اس کی خواہشات پر مضبوط نہ ہو، اور اس کی تمام جدوجہد اور دوڑ دھوپ میں رضائے الٰہی کی طلب کارفرما نہ ہو۔ دنیا میں آدمی کی راست رومی کی ضامن صرف ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے خدا کا خیال۔ یہ خیال اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی دل سے نکل جائے، اگر ذرا سی غفلت بھی طاری ہو جائے۔ تو انسان کا قدم سیدھی راہ سے ہٹنے لگتا ہے۔ پھر جسے محض راہ راست پر چلنا ہی نہ ہو بلکہ دنیا کو اس پر چلانا اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو اس کی طرف کھینچ کر لانا بھی ہو، اس کے لئے تو ناگزیر ہے کہ خدا سے تعلق ہر وقت مضبوط اور خدا کی طرف اس کی توجہ ہر آن مرکوز رہے، ورنہ اس سے غافل ہو کر وہ اپنے آپ کو مصلح سمجھتے ہوئے نہ معلوم کس کس قسم کے فسادوں کا مرتکب ہو جائے گا۔ لہذا میری پہلی نصیحت، آپ کو اور ان سب لوگوں کو جو اس تحریک میں حصہ لینا چاہیں، یہ ہے کہ اپنے ذہن میں اللہ کی ذات وصفات کا تصور ہر وقت تازہ رکھیں اور اپنے تمام کاموں میں اس کی

خوشنودی پر نظر جماتے رہیں۔جن تحریکوں کے پیش نظر صرف دنیا اور اس کے معاملات ہی ہیں وہ تو چل سکتی ہیں بغیر اس کے کہ خدا کا خیال کبھی دل میں آئے مگر یہ تحریک ایک قدم بھی ٹھیک نہیں چل سکتی جب تک کہ اس کے خادم پورے شعور کے ساتھ خدا سے خشیت اور تقویٰ اور رضا طلبی کا تعلق نہ جوڑے رکھیں۔

نظم وضبط کی اہمیت

دوسری چیز جس کی میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ نہ صرف اس اجتماع میں بلکہ اپنے تمام اجتماعی کاموں میں نظم وضبط اور سکون ووقار اور اسلام کے دوسرے اجتماعی آداب کی پوری پوری پابندی ملحوظ رکھیں۔بلاشبہ اس معاملے میں آپ نے پچھلے چند برسوں کے اندر نمایاں ترقی کی ہے' جس پر میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔یہ محض خدا کا فضل اور اس کے دین کی برکت ہے کہ آپ اتنی قلیل مدت میں اپنے اجتماعی برتاؤ کو اس قدر منظم' مہذب اور باوقار بنانے میں کامیاب ہوگئے جو اب بھی اپنی ابتدائی حالت ہی میں' اس ملک کی تمام دوسری جماعتوں پر بین امتیاز رکھتا ہے۔لیکن آپ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں کہ یہ آخری حد ہے جس پر آپ پہنچ سکتے ہیں' ابھی آپ کو اپنی بہت سی خامیوں کی تلافی کرنی ہے' بہت سی اجتماعی خوبیوں کو اپنے اندر پرورش کرنا ہے اور ابھی بہت فاصلے پر ہے وہ حد کمال جس پر آپ کو پہنچنا ہے۔آپ اپنے مقصد کے لئے دنیا کی جن زبردست طاقتوں کے مقابلے میں جدوجہد کرنے اٹھے ہیں وہ آج نظم وضبط کی انتہائی حد پر پہنچی ہوئی ہیں اور ان کے مقابلے میں آپ کا نظم ابھی کسی شمار میں آنے کے قابل نہیں ہے۔اگر آپ کے پیش نظر محض کسی ایک چھوٹی یا بڑے علاقے میں صرف انتظام کرنے والے ہاتھوں کا بدلنا نہیں ہے بلکہ سرے سے اس نظام کو بدل دینا ہے جس پر نوع انسانی کی زندگی کا نظام اس وقت چل رہا ہے' تو آپ کو سمجھنا چاہئے کہ اس غرض کے لئے آپ کو آخری فیصلہ کن مقابلہ ہندوستان کے مقتدیوں سے نہیں بلکہ مغرب کے اماموں

سے پیش آئیگا' اور ان کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اپنی پوری قوموں کو باقاعدہ سوچنے' باقاعدہ کام کرنے اور منظم اجتماعی سعی کرنے کی ایسی مکمل تربیت دی ہے جس کے ثمرات ابھی پچھلی ہی جنگ میں ساری دنیا دیکھ چکی ہے۔اس سے بحث نہیں کہ یہ جنگ کیسی تھی اور کتنے ناپاک مقاصد کے لئے تھی۔غور کرنے کی یہ چیز ہے کہ دنیا کے ان مفسد اماموں نے تنظیم اور انضباط اور مرتب اجتماعی عمل کا جو کمال دکھایا ہے' کیا اس کے مقابلے میں کوئی مصلح امامت کبھی قائم ہوسکتی ہے جب تک کہ وہ ان صفات میں ان سے بازی نہلے جائے؟ پہلے بھی امامت دنیا میں انقلاب اسی وقت آیا تھا جب صحابہ کرامؓ نے محض اپنے عقیدہ ومقصد کی پاکیزگی اور اپنے اخلاق کی فضیلت ہی سے نہیں بلکہ اپنی تنظیم سے بھی دنیا کے ائمہ شتر کو شکست دے دی تھی' اور اب بھی یہ انقلاب اس کے بغیر رونما نہیں ہوسکتا کہ جو لوگ اس کے خواہش مند ہیں وہ اپنے آپ کو انکار' اخلاق اور انتظامی صلاحیت میں دنیا کے موجودہ منتظمین سے فائق تر ثابت کردیں۔

زمانہ اجتماع میں صحیح طرز عمل

تیسری بات جس کی طرف میں اس موقع پر آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ اجتماع کے ان دنوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور دوسری قسم کی دلچسپیوں میں وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیں۔یہ دو تین دن' جو سال میں ایک مرتبہ آپ کو ملتے ہیں' ان کو غنیمت سمجھئے اور ان کے ایک ایک لمحے کو اپنے نصب العین کی خدمت کے لئے استعمال کیجئے۔دوسری باتوں کے لئے دوسرے اوقات بہت ہیں۔اگرچہ ایک وہ شخص جو اس مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد بنا چکا ہو دوسرے اوقات میں بھی اپنے ذہن کو دوسری فکروں میں الجھانا اور اپنی قوت کو دوسری غیر متعلق باتوں میں صرف کرنا پسند نہ کرے گا' لیکن خصوصیت کے ساتھ اجتماع کے ایام میں تو کسی شخص کا دوسری باتوں اور دلچسپیوں میں مشغول ہونا اس بات کی کھلی علامت ہے کہ اسے اس نصب العین کے ساتھ

کوئی دلی لگاؤ نہیں ہے۔اس وقت آپ کی پوری جماعتی طاقت ایک جگہ مجتمع ہے' تمام مختلف مقامات کے رفقاء یہاں اکٹھے ہوگئے ہیں۔ بہت سے کارکن' ہمدرد عام متاثرین اور جویائے حال اصحاب بھی تشریف لائے ہوئے ہیں' اس قیمتی موقع سے پورا فائدہ اٹھایئے دور و نزدیک کے رفقاء سے تعارف پیدا کیجئے' آپس میں تعاون کی تدبیریں سوچئے' ہمدردوں کا جذبہ اخلاص وعمل کو ابھاریئے' نئے لوگوں کو اپنی دعوت سمجھایئے' آپس میں سر جوڑ کر مشورہ کیجئے کہ ہم اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے کیا کیا تدبیریں کس کس طرح کر سکتے ہیں آپ کو چاہئے کہ اجتماعات کے لئے جب آپ نکلیں' اس وقت سے لے کر اپنے گھروں کو واپس ہونے تک' اپنے آپ کو راہ خدا میں سمجھیں اور اس دوران میں آپ کی ساری فکر' تمام توجہ اور پوری مصروفیت اس دعوت حق اور اس سے تعلق رکھنے والے امور کے لئے وقف ہو۔

اب میں چند الفاظ ان حضرات سے بھی کہنا چاہتا ہوں جو یہ معلوم کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں کہ یہ اجتماع کیسا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے۔ان میں سے بعض تو ہم سے کچھ نہ کچھ پہلے بھی واقف ہوں گے' مگر بعض ایسے بھی ضرور ہوں گے جو آج پہلی مرتبہ ہم سے روشناس ہو رہے ہیں' ایسے اصحاب ہماری پوری بات تو ہمارے لٹریچر کے مطالعہ ہی سے سمجھ سکتے ہیں' مگر میں کوشش کروں گا کہ مختصر الفاظ میں اس جماعت کی دعوت کا خلاصہ صاف اور واضح طور پر ان کے سامنے پیش کر دوں تا کہ یہ تعارف ان کے تفصیلی مطالعے کے لئے مددگار ہو سکے۔

ہمارا مدعا

ہماری یہ جماعت جس غرض کے لئے اٹھی وہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں اور آغاز کار کے طور پر اس ملک میں' ایک ایسی سوسائٹی منظم کی جائے جو اسلام کے اصلی اصولوں پر شعور و اخلاص کے ساتھ خود عامل ہو' دنیا کے سامنے اپنے قول وعمل سے اس کی صحیح نمائندگی کرے'

اور بالاخر جہاں جہاں بھی اس کی طاقت جڑ پکڑ جائے وہاں کے افکار، اخلاق، تمدن، معاشرت، سیاست اور معیشت کے نظام کو موجودہ دہریت اور مادہ پرستی کی بنیادوں سے اکھاڑ کر سچی خدا پرستی، یعنی توحید کی بنیاد پر قائم کردے۔ اس جماعت کو یہ یقین ہے کہ موجودہ تہذیب اور اس کا پورا نظام زندگی جن اصولوں پر قائم ہے وہ قطعاً فاسد ہیں اور اگر دنیا کا انتظام انہی اصولوں پر چلتا رہا تو وہ بڑے ہولناک نتائج سے دوچار ہوگی۔ اس کے جو نتائج اب تک نکل چکے ہیں وہ بھی کچھ کم ہولناک نہیں ہیں۔ مگر انہیں کوئی نسبت اس انجام کی ہولناکی سے نہیں ہے جس کی طرف یہ تہذیب دنیا کو لئے جارہی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہم اس دنیا سے کہیں باہر نہیں جی رہے ہیں بلکہ اس کے اندر ہی سانس لے رہے ہیں، لہذا اگر ہمان اصولوں کو فاسد اور بدانجام سمجھتے ہوئے بھی منصفانہ طریقے سے Passively اسی نظام کے تحت زندگی بسر کئے چلے جائیں اور تہذیب حاضر کے مغربی اماموں اور مشرقی مقلدوں کی پیشوائی وسربراہ کاری کے آگے سپر ڈالے رہیں تو جس تباہی کے گڑھے میں یہ دنیا گرے گی اسی میں اس کے ساتھ ساتھ ہم بھی جا گریں گے اور اس انجام کے ہم مستحق ہوں گے۔ ہم پوری بصیرت کے ساتھ یہ جانتے ہیں اور اپنے اس علم پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا نے انسان کی رہنمائی کے لئے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے جو ہدایات نازل کی ہے اسی کی پیروی میں ہماری اور سب انسانوں کی فلاح مضمر ہے اور انسانی زندگی کا پورا نظام اسی وقت صحیح چل سکتا ہے جب کہ اسے ان اصولوں پر قائم کیا جائے جو انسانوں کے خالق کی دی ہوئی ہدایت میں ہم کو ملتے ہیں۔ ہمارے اس علم ویقین سے یہ فرض خود بخود ہم پر عائد ہوجاتا ہے --- اور یہی فرض خدا نے بھی اپنے مطیع فرمان بندوں پر عائد کیا ہے --- کہ ہم اس نظام زندگی کے خلاف جنگ کریں جو فاسد اصولوں پر چل رہا ہے اور وہ صالح نظام قائم کرنے کے لئے جدوجہد کریں جو خدائی ہدایت کے دیئے ہوئے اصولوں پر مبنی ہو۔ یہ

کوشش ہمیں صرف اسی لئے نہیں کرنی چاہئے کہ دنیا کی خیر خواہی ہم سے اس کا مطالبہ کرتی ہے۔نہیں، ہم خود اپنے بھی سخت بدخواہ ہوں گے اگر اس سعی و جہد میں اپنی جان نہ لڑائیں، کیونکہ جب اجتماعی زندگی کا سارا نظام فاسد اصولوں پر چل رہا ہو، جب باطل نظریات و افکار ساری دنیا پر چھائے ہوئے ہوں، جب خیالات کو ڈھالنے اور اخلاق و سیرت کو بنانے کی عالمگیر طاقتوں پر فاسد نظام تعلیم، گمراہ کن ادبیات، فتنہ انگیز صحافت اور شیطنت سے لبریز ریڈیو اور سینما کا تسلط ہو، جب رزق کے تمام وسائل پر ایک ایسے معاشی نظام کا قبضہ ہو جو حرام و حلال کی قیود سے نا آشنا ہے، جب تمدن کی صورت گری کرنے اور اس کو ایک خاص راہ پر لے چلنے کی ساری طاقت ایسے قوانین اور ایسی قانون باز مشینری کے ہاتھ میں ہو جو اخلاق و تمدن کے سراسر مادہ پرستانہ تصورات پر مبنی ہیں، اور جب قوموں کی امامت اور انتظام دنیا کی پوری زمام کار ان لیڈروں اور حکمرانوں کے ہاتھ میں ہو جو خدا کے خوف سے خالی اور اس کی رضا سے بے نیاز ہیں اور اپنے کسی معاملے میں بھی یہ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ ان کے خالق کی ہدایت اس معاملے میں کیا ہے، تو ایسے نظام کی ہمہ گیر گرفت میں رہتے ہوئے ہم خود اپنے آپ کو ہی اس کے برے اثرات اور بدتر نتائج سے کب بچا سکتے ہیں۔ یہ نظام جس جہنم کی طرف جا رہا ہے اسی کی طرف وہ دنیا کے ساتھ ہمیں بھی تو گھسیٹے لئے جا رہا ہے۔ اگر ہم اس کی مزاحمت نہ کریں اور اس کو بدلنے کی کوشش میں ایڑی چوٹی کا زور نہ لگائیں تو یہ ہماری اور ہماری آئندہ نسلوں کی دنیا خراب اور عاقبت خراب تر کر کے چھوڑے گا۔ لہذا محض دنیا کی اصلاح ہی کے لئے نہیں، بلکہ خود اپنے بچاؤ کے لئے بھی یہ فرض ہم پر عائد ہوتا ہے---اور یہ سب فرضوں سے بڑا فرض ہے---کہ ہم جس نظام زندگی کو پوری بصیرت کے ساتھ فاسد و مہلک جانتے ہیں اسے بدلنے کی سعی کریں اور جس نام کے برحق اور واحد ذریعہ فلاح و نجات ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اسے

عملاً قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔

ہاتھوں کی نہیں بلکہ نظام کی تبدیلی

اس مختصر گزارش سے آپ یہ بات پا گئے ہوں گے کہ ہمارا اصل مدعا موجودہ نظام کے چلانے والے ہاتھوں کا بدلنا نہیں ہے بلکہ خود نظام کا بدلنا ہے۔ ہماری کوششوں کا مقصود یہ نہیں ہے کہ نظام تو یہی رہے اور انہی اصولوں پر چلتا رہے مگر اس کو مغربی نہ چلائے' مشرقی چلائے۔ یا انگریز نہ چلائے' ہندوستانی چلائے' یا ہندو نہ چلائے ''مسلمان'' چلائے۔ ہمارے نزدیک محض ہاتھوں کے بدل جانے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ سور تو بہرحال سور ہی ہے اور اپنی ذات میں ناپاک ہے۔ خواہ اسے کافر باورچی پکائے یا مسلمان باورچی' بلکہ مسلمان باورچی کا سور پکانا اور بھی زیادہ افسوس ناک ہے اور گمراہ کن بھی' بہت سے بندگان خدا' حتیٰ کہ اچھے خاصے پرہیزگار لوگ بھی اس ظالم کے ہاتھ کا پکا ہوا سور اس اطمینان کی بنا پر کھا جائیں گے کہ یہ مسلمان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا ہے اور اگر اس پخت و یز کے دوران میں وہ چمچے کی گردش پر با آواز بلند بسم اللہ پڑھتا رہے اور اس کے چنے ہوئے دسترخوان پر مسلمانوں کو کافر کے دسترخوان کی بہ نسبت تناول ماحضر کی زیادہ آسانیاں اور آزادیاں میسر ہوں اور محفل طعام کے گردوپیش کچھ ایسے لوازم بھی فراہم کر دیئے جائیں جو عام طور پر اسلامی لوازم سمجھے جاتے ہیں تو یہ اور بھی زیادہ سخت دھوکا دینے والی چیز ہوگی۔ اس قسم کی نمائشی اسلامیت اگر موجود ہو تو وہ اس حرام خوراک کو قبول کر لینے کے لئے کوئی سفارش نہیں ہے بلکہ یہ ظاہر فریبیاں اس معاملے کو اور بھی زیادہ پرخطر بنا دیتی ہیں۔ لہذا ہم کسی ایسی ظاہری تبدیلی پر نہ خود مطمئن ہو سکتے ہیں اور نہ کسی کو مطمئن ہوتے دیکھ سکتے ہیں جس میں یہ فاسد نظام تو جوں کا توں قائم رہے اور صرف اس کے چلانے والے ہاتھ بدل جائیں۔ ہماری نظر ہاتھوں پر نہیں بلکہ ان اصولوں پر ہے جن پر زندگی کا نظام چلایا جاتا ہے۔ وہ اصول اگر فاسد ہوں تو ہم ان کے خلاف جنگ جاری رکھیں گے اور انہیں صالح

اصولوں سے بدلنے کی کوشش کریں گے۔ یہ تو ہے ہمارا مدعا' اب میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ بھی واضح طور پر سمجھ لیں کہ موجودہ تہذیب کے وہ اصول کیا ہیں جن کو ہم مٹانا چاہتے ہیں اور ان کے جواب میں وہ دوسرے اصول کون سے ہیں جن کو ہم قائم کرنا چاہتے ہیں۔

مغربی تہذیب کے فاسد اصول

موجودہ تہذیب جس پر آج دنیا کا پورا فکری' اخلاقی' تمدنی' سیاسی اور معاشی نظام چل رہا ہے دراصل تین بنیادی اصولوں پر قائم ہے۔

1-لادینی یا دنیاویت (Secularism)

2-قوم پرستی (Nationalism)

3-حاکمیت جمہور (Democracy)

ان میں سے پہلے اصول' یعنی لادینی کا مطلب یہ ہے کہ ''خدا اور اس کی ہدایت اور اس کی عبادت کے معاملے کو ایک ایک شخص کی ذاتی حیثیت تک محدود کر دیا جائے اور انفرادی زندگی کے اس چھوٹے سے دائرے کے سوا دنیا کے باقی تمام معاملات کو ہم خالص دنیوی نقطہ نظر سے اپنی صوابدید کے مطابق خود جس طرح چاہیں طے کریں۔ ان معاملات میں یہ سوال خارج از بحث ہونا چاہئے کہ خدا کیا کہتا ہے اور اس کی ہدایت کیا ہے اور اس کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔'' ''ابتداء'' یہ طرز عمل اہل مغرب نے عیسائی پادریوں کی اس خود ساختہ دینیات Theology سے بیزار ہو کر اختیار کیا تھا جو ان کے لئے زنجیر پا بن کر رہ گئی تھی لیکن رفتہ رفتہ یہی طرز عمل ایک مستقل نظریہ حیات بن گیا اور تہذیب جدید کا پہلا سنگ بنیاد قرار پایا۔ آپ نے اکثر یہ فقرہ سنا ہوگا کہ ''مذہب ایک پرائیویٹ معاہدہ ہے خدا اور بندے کے درمیان'' یہ مختصر سا فقرہ دراصل تہذیب حاضر کا ''کلمہ'' ہے اور اس کی شرح یہ ہے کہ اگر کسی کا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ خدا ہے اور اس کی پرستش کرنی چاہئے تو وہ اپنی انفرادی زندگی میں بخوشی اپنے خدا کو پوجے' مگر دنیا اور اس کے معاملات سے خدا اور

مذہب کا کوئی تعلق نہیں اس کلمہ کی بناء پر میں نظام زندگی کی عمارت اٹھی ہے اس میں انسان اور انسان کے تعلق اور انسان اور دنیا کے تعلق کی تمام صورتیں خدا اور مذہب سے آزاد ہیں' معاشرت ہے تو اس سے آزاد' تعلیم ہے تو اس سے آزاد' معاشی کاروبار ہے تو اس سے آزاد' قانون ہے تو اس سے آزاد' پارلیمنٹ ہے تو اس سے آزاد' سیاست اور انتظام ملکی ہے تو اس سے آزاد' بین الاقوامی ربط وضبط ہے تو اس سے آزاد' زندگی کے ان بے شمار مختلف پہلوؤں میں جو کچھ بھی طے کیا جاتا ہے اپنی خواہش اور دانست کے مطابق طے کیا جاتا ہے اور اس سوال کو نہ صرف ناقابل لحاظ' بلکہ اصولی غلط اور انتہائی تاریک خیال سمجھا جاتا ہے کہ اس کے متعلق خدا نے بھی کچھ اصول اور احکام ہمارے لئے مقرر کئے ہیں یا نہیں۔ رہی انفرادی زندگی' تو وہ بھی غیر دینی تعلیم اور بے دین اجتماعیت کی بدولت اکثر و بیشتر آراء کے معاملے میں نری دنیاوی Secular ہی ہو کر رہ گئی ہے اور ہوتی چلی جارہی ہے کیونکہ اب بہت ہی کم افراد کا ضمیر واقعی یہ گواہی دیتا ہے کہ خدا ہے اور اس کی بندگی کرنی چاہئے۔ خصوصاً جو لوگ اس وقت تمدن کے اصلی کارفرما اور کارکن ہیں ان کے لئے تو مذہب' اب ایک پرائیویٹ معاملہ بھی باقی نہیں رہا ہے' ان کا ذاتی تعلق بھی خدا سے ٹوٹ چکا ہے۔

دوسرے اصول' یعنی قوم پرستی کی ابتداء تو پوپ اور قیصر کے عالمگیر استبداد کے خلاف بغاوت کے طور پر ہوئی تھی اور اس کا مطلب صرف اتنا تھا کہ مختلف قومیں اپنی اپنی سیاست و مصلحت کی آپ ہی مالک ومختار ہوں گی' کسی عالمگیر روحانی یا سیاسی اقتدار کے ہاتھوں میں شطرنج کے مہروں کی طرح نہ کھیلیں' مگر اس معصوم آغاز سے چل کر جب یہ تخیل آگے بڑھا تو رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جس جگہ سے بے دینی کی تحریک نے خدا کو بے دخل کیا تھا وہاں قوم پرستی نے قومیت کو لا بٹھایا۔ اب ہر قوم کے لئے بلند ترین اخلاقی قدر اس کا قومی مفاد اور اس کے قومی حوصلے Aspirations ہیں' نیکی وہ ہے جو قوم کے لئے مفید ہو' خواہ وہ جھوٹ ہو' بے ایمانی ہو' ظلم ہو' یا اور کوئی ایسا فعل ہو جو پرانے مذہب واخلاق میں بدترین

گناہ سمجھا جاتا تھا اور بدی وہ ہے جس سے قوم کے مفاد کو نقصان پہنچے خواہ وہ سچائی ہو' انصاف ہو' وفائے عہد ہو اور ادائے حق ہو یا اور کوئی ایسی چیز جسے کبھی فضائل اخلاق میں شمار کیا جاتا تھا۔ افراد قوم کی خوبی اور زندگی و بیداری کا پیمانہ یہ ہے کہ قوم کا مفاد ان سے جس قربانی کا مطالبہ بھی کرے' خواہ وہ جان و مال اور وقت کی قربانی ہو یا ضمیر و ایمان کی' اخلاق و انسانیت کی قربانی ہو یا شرافت نفس کی' بہرحال وہ اس میں دریغ نہ کریں اور متحد و منظم ہو کر قوم کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کو پورا کرنے میں لگے رہیں۔ اجتماعی کوششوں کی غایت اب یہ ہے کہ ہر قوم ایسے افراد کی زیادہ سے زیادہ تعداد بہم پہنچائے اور ان میں ایکا اور نظم پیدا کرے تاکہ وہ دوسری قوموں کے مقابلے میں اپنی قوم کا جھنڈا بلند کریں۔

تیسرے اصول یعنی جمہور کی حاکمیت Sovereignty the people کو ابتداء بادشاہوں اور جاگیرداروں کے اقتدار کی گرفت توڑنے کے لئے پیش کیا گیا تھا اور اس حد تک بات درست تھی کہ ایک شخص یا ایک خاندان یا ایک طبقہ کو لاکھوں کروڑوں انسانوں پر اپنی مرضی مسلط کر دینے اور اپنی اغراض کے لئے انہیں استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن اس منفی پہلو کے ساتھ اس کا مثبت پہلو یہ تھا کہ ایک ایک ملک اور ایک ایک علاقے کے باشندے اپنے آپ حاکم اور اپنے آپ مالک ہیں۔ اسی مثبت پہلو پر ترقی کر کے جمہوریت نے اب جو شکل اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ ہر قوم اپنی مرضی کی مختار کل ہے اس کی مجموعی خواہش (یا عملاً اس کی اکثریت کی خواہش) کو پابند کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ اخلاق ہو یا تمدن' معاشرت ہو یا سیاست' ہر چیز کے لئے برحق اصول وہ ہیں جو قومی خواہش سے طے ہوں اور جن اصولوں کو قوم کی رائے عامہ رد کر دے وہ باطل ہیں' قانون' قوم کی مرضی پر منحصر ہے' جو قانون چاہے بنائے اور جس قانون کو چاہے توڑ دے یا بدل دے۔ حکومت قوم کی رضا کے مطابق بننی چاہئے۔ قوم ہی کی رضا کا اسے پابند ہونا چاہئے اور اس کی پوری طاقت قومی خواہش کو پورا کرنے پر صرف ہونی چاہئے۔

یہ تین اصول، جن کی تشریح میں نے مختصراً آپ کے سامنے بیان کی ہے، موجودہ دور کے نظام زندگی کی بنیاد ہیں اور انہی اصولوں پر وہ بے دین جمہوری قومی ریاست Secular Democrated National State بنتی ہے جسے آج کل اجتماعی تنظیم کی مہذب ترین معیاری صورت سمجھا جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ تینوں اصول غلط ہیں۔صرف غلط ہی نہیں، ہم پوری بصیرت کے ساتھ یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہی اصول ان تمام مصائب کی جڑ ہیں جن میں آج، انسانیت مبتلا ہے ہماری عادت وحاصل انہی اصولوں سے ہے اور ہم اپنی پوری طاقت کے ساتھ ان کے خلاف لانا چاہتے ہیں۔ہمیں ان اصولوں پر کیا اعتراض ہے اور کیوں اعتراض ہے؟ اس کی تفصیل کے لئے تو بڑی لمبی بحث درکار ہے مگر میں اسے چند الفاظ میں آپ کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کروں گا تاکہ آپ ہماری اس لڑائی کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور آپ کو اندازہ ہو کہ کیوں یہ معاملہ اتنا سنگین ہے کہ ان اصولوں کے خلاف جنگ کرنا ناگزیر ہے۔

لادینی اور اس کی قباحت

سب سے پہلے اس لادینی یا دنیاویت کو لیجئے جو اس نظام زندگی کا اولین سنگ بنیاد ہے۔ یہ نظریہ کہ خدا اور مذہب کا تعلق صرف آدمی کی انفرادی زندگی سے ہے، سراسر ایک مہمل نظریہ ہے جسے عقل وخرد سے کوئی سروکار نہیں۔ظاہر بات ہے کہ خدا اور انسان کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہوسکتا۔ یا تو خدا انسان کا اور اس ساری کائنات کا جس میں انسان رہتا ہے، خالق اور مالک اور حاکم ہے، یا نہیں ہے۔اگر وہ نہ خالق ہے، نہ مالک اور نہ حاکم، تب تو اس کے ساتھ پرائیویٹ تعلق کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔نہایت لغو بات ہے کہ ایک ایسی غیر متعلق ہستی کی خواہ مخواہ پرستش کی جائے جس کا ہم سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے اور اگر وہ فی الواقع ہمارا اور اس تمام جہان ہست وبود کا خالق ومالک اور حاکم ہے تو اس کے

کوئی معنی نہیں ہیں کہ اس کی عملداری Jurisdiction محض ایک شخص کی پرائیویٹ زندگی تک محدود ہو اور جہاں سے ایک اور ایک دو آدمیوں کا اجتماعی تعلق شروع ہوتا ہے وہیں سے اس کے اختیارات ختم ہو جائیں۔ یہ حد بندی اگر خدا نے خود کی ہے تو اس کی کوئی سند ہونی چاہئے اور اگر اپنی اجتماعی زندگی میں انسان نے خدا سے بے نیاز ہو کر خود ہی خودمختاری اختیار کی ہے تو یہ اپنے خالق اور مالک اور حاکم سے اس کی کھلی بغاوت ہے' اس بغاوت کے ساتھ یہ دعویٰ کہ ہم اپنی انفرادی زندگی میں خدا کو اور اس کے دین کو مانتے ہیں صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کی عقل ماری گئی ہو۔ اس سے زیادہ لغو بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک ایک شخص فرداً فرداً تو خدا کا بندہ ہو مگر یہ الگ الگ بندے جب مل کر معاشرہ بنائیں تو بندے نہ رہیں۔ اجزاء میں سے ہر ایک بندہ اور اجزاء کا مجموعہ غیر بندہ' یہ ایک ایسی بات ہے جس کا تصور صرف ایک پاگل ہی کر سکتا ہے۔ پھر یہ بات کسی طرح ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر ہمیں خدا کی اور اس کی رہنمائی کی ضرورت نہ اپنی خانگی معاشرت میں ہے' نہ محلے اور شہر میں' نہ مدرسے اور کالج میں' نہ اسٹڈی اور بازار میں' نہ پارلیمنٹ اور گورنمنٹ ہاؤس میں' نہ ہائی کورٹ اور نہ سول سیکریٹریٹ میں' نہ چھاؤنی اور پولیس لائن میں اور نہ میدان جنگ اور صلح کانفرنس میں' تو آخر اس کی ضرورت ہے کہاں؟ کیوں ایسے خدا کو مانا جائے اور اس کی خواہ مخواہ پوجا پاٹ کی جائے جو یا تو اتنا بے کار ہے کہ زندگی کے کسی معاملے میں بھی ہماری رہنمائی نہیں کرتا' یا معاذ اللہ ایسا نادان ہے کہ کسی معاملے میں بھی اس کی کوئی ہدایت ہمیں معقول اور قابل عمل نظر نہیں آتی؟

یہ تو اس معاملے کا محض عقلی پہلو ہے' عملی پہلو سے دیکھئے تو اس کے نتائج بڑے ہی خوفناک ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی کے جس معاملے کا تعلق بھی خدا سے ٹوٹتا ہے اس کا تعلق شیطان سے جڑ جاتا ہے۔ انسان کی پرائیویٹ زندگی درحقیقت کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ انسان ایک متحد ہستی ہے اور اس کی پوری زندگی اصل میں اجتماعی زندگی ہے۔ وہ پیدا

ہی ایک ماں اور ایک باپ کے معاشرتی تعلق سے ہوتا ہے۔ دنیا میں آتے ہی وہ ایک خاندان میں آنکھیں کھولتا ہے، ہوش سنبھالتے ہی اس کو ایک سوسائٹی سے ایک، برادری سے ایک بستی سے، ایک قوم سے، ایک نظام تمدن اور نظام معیشت و سیاست سے واسطہ پیش آتا ہے۔ یہ بے شمار روابط جو اس کو دوسرے انسانوں سے اور دوسرے انسانوں کو اس سے جوڑے ہوئے ہیں، انہی کی درستی پر ایک ایک انسان کی اور مجموعی طور پر تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کا انحصار ہے اور وہ صرف خدا ہی ہے جو انسانوں کو ان روابط کے لئے صحیح اور منصفانہ اور پائیدار اصول و حدود بتاتا ہے جہاں انسان اس کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر خود مختار بنا پھر نہ تو کوئی مستقل اصول باقی رہتا ہے اور نہ انصاف اور راستی۔ اس لئے کہ خدا کی رہنمائی سے محروم ہو جانے کے بعد خواہش اور ناقص علم و تجزیہ کے سوا کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہتی جس کی طرف انسان رہنمائی کے لئے رجوع کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس سوسائٹی کا نظام لادینی یا دنیاویت کے اصول پر چلتا ہے اس میں خواہشات کی بنا پر روز اصول بنتے اور ٹوٹتے ہیں۔ آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ انسانی تعلقات کے ایک ایک گوشے میں ظلم، بے انصافی، بے ایمانی اور آپس کی بے اعتمادی گھس گئی ہے، تمام انسانی معاملات پر انفرادی، طبقاتی، قومی اور نسل خود غرضیاں مسلط ہو گئی ہیں دو انسانوں کے تعلق سے لے کر قوموں کے تعلق تک کوئی رابطہ ایسا نہیں رہا جس میں ٹیڑھ نہ آ گئی ہو۔ ہر ایک شخص نے، ہر ایک گروہ نے، ہر ایک طبقے نے ہر ایک قوم اور ملک نے اپنے اپنے دائرہ اختیار میں، جہاں تک بھی اس کا بس چلا ہے، پوری خود غرضی کے ساتھ اپنے مطلب کے اصول اور قاعدے اور قانون بنا لئے ہیں اور کوئی بھی اس کی پروا نہیں کرتا کہ دوسرے اشخاص، گروہوں، طبقوں اور قوموں پر اس کا کیا اثر پڑے گا پروا کرنے والی صرف ایک ہی طاقت رہ گئی ہے اور وہ ہے جو تا جہاں مقابلہ میں جوتا یا جوتے کا اندیشہ ہوتا ہے صرف وہیں اپنی حد سے زیادہ پھیلے ہوئے ہاتھ اور پاؤں کچھ سکڑ جاتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ جوتا کسی عالم اور منصف ہستی کا نام

نہیں ہے، وہ تو ایک اندھی طاقت کا نام ہے، اس لئے اس کے زور سے کبھی توازن قائم نہیں ہوتا۔ جس کا جوتا زبردست ہوتا ہے وہ دوسروں کو صرف اتنا ہی نہیں سکیڑتا جتنا سکیڑنا چاہئے بلکہ وہ خود اپنی حد سے زیادہ پھیلنے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ پس لادینی اور دنیاویت کا ماحصل صرف یہ ہے کہ جو بھی اس طرز عمل کو اختیار کرے گا بے لگام، غیر ذمہ دار اور بندۂ نفس ہو کر رہے گا خواہ وہ ایک شخص ہو یا ایک گروہ یا ایک ملک اور قوم یا مجموعہ اقوام۔

قوم پرستی اور اس کی شناخت

اب دوسرے اصول کو لیجئے۔ قوم پرستی کی جو تشریح ابھی تھوڑی دیر پہلے میں آپ کے سامنے کر چکا ہوں وہ اگر آپ کے ذہن میں تازہ ہے تو آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کتنی بڑی لعنت ہے جو اس دور میں انسانیت پر مسلط ہوئی ہے۔ ہمارا اعتراض قومیت Nationality پر نہیں ہے، کیونکہ وہ ایک فطری حقیقت ہے ہم قومی خیر خواہی کے بھی مخالف نہیں ہیں بشرطیکہ اس کے اندر دوسری قوموں کی بدخواہی شامل نہ ہو، ہمیں قومی محبت پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے بشرطیکہ وہ قومی تعصب اور اپنی قوم کی بے جا پاسداری اور دوسروں سے نصرت کی حد تک نہ جا پہنچے، ہم قومی آزادی کو بھی صحیح سمجھتے ہیں کیونکہ اپنے معاملات کو خود انجام دینا اور اپنے گھر کا آپ انتظام کرنا ہر قوم کا حق ہے اور ایک قوم پر دوسری قوم کی حکومت درست نہیں ہے، دراصل جو چیز ہمارے نزدیک قابل اعتراض بلکہ قابل نفرت ہے وہ قوم پرستی Nationalism ہے اور قوم پرستی کی کوئی حقیقت اس کے سوا نہیں ہے کہ یہ قومی خود پرستی کا دوسرا نام ہے۔ اگر ایک سوسائٹی کے اندر اس شخص کا وجود ایک لعنت ہے جو اپنے نفس اور اپنی غرض کا بندہ ہو اور اپنے مفاد کے لئے سب کچھ کر گزرنے کے لئے تیار ہو، اگر ایک بستی کے اندر وہ خاندان ایک لعنت ہے جس کے افراد اپنے خاندانی مفاد کے اندھے پرستار ہوں اور جائز و ناجائز تمام ذرائع سے بس اپنا بھلا کرنے پر تلے ہوئے ہوں، اگر ایک ملک کے اندر وہ ہمیشہ ایک لعنت ہے جو اپنی طبقاتی خودغرضی میں اندھا ہو یا

ہو اور دوسروں کے بھلے برے کی پروا کئے بغیر صرف اپنے فائدے کے پیچھے پڑ جائے (مثلاً بلیک مارکیٹنگ کرنے والے) تو آخر انسانیت کے وسیع دائرے میں وہ خودغرض قوم ایک لعنت کیوں نہیں ہے جو اپنے قومی مفاد کو اپنا خدا بنالے اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے اس کی پوجا کرنے لگے؟ آپ کا ضمیر گواہی دے گا کہ تمام خودغرضیوں اور نفسانیتوں کی طرح یہ قومی خودغرضی و نفسانیت بھی یقیناً ایک لعنت ہے، مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج اس تہذیب جدید نے تمام قوموں کو اسی لعنت میں مبتلا کر دیا ہے اور اس کی بدولت ساری دنیا ایسے قومی اکھاڑوں میں تبدیل ہوگئی ہے جن میں سے ہر اکھاڑے کی دوسرے اکھاڑے سے لاگ ڈانٹ ہے اور دو عالمگیر دنگل ہو چکنے کے بعد ابھی پسینہ بھی خشک نہیں ہوا ہے کہ تیسرے دنگل کے لئے ڈنٹر خم تازہ کئے جا رہے ہیں۔

جمہوریت اور اس کا فساد

تیسرا اصول پہلے دونوں اصولوں کے ساتھ مل کر اس بلا کی تکمیل کر دیتا ہے۔ جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں، موجودہ تہذیب میں جمہوریت کے معنی ہیں جمہور کی حاکمیت، یعنی ایک علاقے کے لوگوں کی مجموعی خواہش کا اپنے علاقے میں مختار مطلق ہونا اور ان کا قانون کے تابع نہ ہونا بلکہ قانون کا ان کی خواہش کے تابع ہونا اور حکومت کی غرض صرف یہ ہوتا کہ اس کا نظم اور اس کی طاقت لوگوں کی اجتماعی خواہشات کو پورا کرنے کے کام آئے۔ اب غور کیجئے کہ پہلے تو لادینی نے ان لوگوں کو خدا کے خوف اور اخلاق کے مستقل اصولوں کی گرفت سے آزاد کر کے بے لگام اور غیر ذمہ دارانہ بندۂ نفس بنا دیا، پھر قوم پرستی نے ان کو شدید قسم کی قومی خودغرضی اور اندھی عصبیت اور قومی غرور کے نشے سے بدمست کر دیا، اور اب یہ جمہوریت نہی بے لگام بدمست بندگان نفس کی خواہشات کو قانون سازی کے مکمل اختیارات دیتی ہے اور حکومت کا واحد مقصد یہ قرار دیتی ہے کہ طاقت ہر اس چیز کے حصول میں ہو جس کی یہ لوگ اجتماعی طور پر خواہش کریں۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح کی خودمختار

صاحب حاکمیت قوم کا حال آخر ایک طاقت ور بدمعاش کے حال سے کس بات میں مختلف ہوگا۔ جو کچھ ایک بدمعاش فرد خودمختار اور طاقت ور ہوکر چھوٹے پیمانے پر کرے گا وہی تو اس سے بہت زیادہ بڑے پیمانے پر اس طرح کی ایک قوم کرے گی۔ پھر جب دنیا میں صرف ایک ہی قوم ایسی نہ ہو بلکہ ساری متمدن قومیں اسی ڈھنگ پر بے دینی، قوم پرستی اور جمہوریت کے اصولوں پر منظم ہوں تو دنیا بھیڑیوں کا میدان جنگ نہ بنے گی تو اور کیا بنے گی؟

یہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر ہم ہر اس نظام اجتماعی کو فاسد سمجھتے ہیں جو ان تین اصولوں کی بنیاد ہے۔ ہماری دشمنی لادینی قومی جمہوری نظام سے ہے، خواہ اس کے قائم کرنے اور چلانے والے مغربی ہوں یا مشرقی، غیر مسلم ہوں یا نام نہاد مسلمان۔ جہاں، جس ملک اور جس قوم پر بھی یہ بلا مسلط ہوگی ہم بندگان خدا کو اس سے ہوشیار کرنے کی فکر کریں گے کہ اسے دفع کرو۔

تین صالح اصول

ان تین اصولوں کے جواب میں ہم دوسرے تین اصول پیش کرتے ہیں اور سب انسانوں کے ضمیر سے اپیل کرتے ہیں کہ انہیں جانچ کر پرکھ کر خود دیکھ لو کہ تمہارا اپنا بھلا اور ساری دنیا کا بھلا ان پاک اصولوں میں ہے یا ان خبیث اصولوں میں؟

۱۔ لادینی کے مقابلے میں خدا کی بندگی اور اطاعت

۲۔ قوم پرستی کے مقابلے میں انسانیت۔

۳۔ جمہور کی حاکمیت کے مقابلے میں خدا کی حاکمیت اور جمہور کی خلافت۔

۱۔ خدا پرستی کے معنی

پہلے اصول کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب اس خدا کو اپنا آقا تسلیم کریں جو ہمارا اور تمام کائنات کا خالق، مالک اور حاکم ہے ہم اس سے آزاد اور بے نیاز بن کر نہیں بلکہ اس کے

تابع فرمان اور اس کی رہنمائی کے پیرو بن کر زندگی بسر کریں۔ ہم صرف اس کی پوجا ہی نہ کریں بلکہ اس کی اطاعت اور بندگی بھی کریں۔ ہم صرف فرداً فرداً اپنی پرائیویٹ حیثیت ہی میں اس کے احکام اور ہدایات کے پابند نہ ہوں بلکہ اپنی اجتماعی زندگی کے بھی ہر پہلو میں اسی کے پابند ہوں۔ ہماری معاشرت، ہمارا تمدن، ہماری معیشت، ہمارا نظام تعلیم و تربیت، ہمارے قوانین، ہماری عدالتیں، ہماری حکومت، ہماری صلح و جنگ اور ہمارے بین الاقوامی تعلقات، سب کے سب ان اصولوں اور حدوں کے پابند ہوں جو خدا نے مقرر کئے ہیں۔ ہم اپنے دنیوی معاملات کو طے کرنے میں بالکل آزاد نہ ہوں بلکہ ہماری آزادی ان سرحدوں کے اندر محدود ہو جو خدا کے مقرر کئے ہوئے اصول اور حدود نے کھینچ دی ہیں۔ یہ اصول اور حدود ہر حال میں ہمارے اختیارات سے بالاتر رہیں۔

۲۔ انسانیت کا مطلب

دوسرے اصول کا مطلب یہ ہے کہ خدا پرستی کی بنیاد پر جو نظام زندگی بنے اس میں قوم، نسل، وطن، رنگ اور زبان کے فرق و امتیاز کی بنا پر کسی قسم کے تعصّبات اور خود غرضیاں راہ نہ پائیں۔ وہ ایک قومی نظام کے بجائے ایک اصولی نظام ہونا چاہئے جس کے دروازے پر اس انسان کے لئے کھلے ہوئے ہوں جو اس کے بنیادی اصولوں کو مان لے اور جو انسان بھی ان کو مان جائے وہ بغیر کسی امتیاز کے پورے مساویانہ حقوق کے ساتھ اس میں شریک ہو سکے۔ اس نظام میں شہریت Citizenship کی بنیاد پیدائش اور نسل و وطن پر نہ رکھی جائے بلکہ صرف اصول پر رکھی جائے۔ رہے وہ لوگ جو ان اصولوں پر مطمئن نہ ہوں یا کسی وجہ سے ان کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوں تو ان کو مٹانے اور دبانے اور ہضم کرنے کی کوشش نہ ہو بلکہ وہ متعین حقوق کے ساتھ اس نظام کی حفاظت Protection میں رہیں اور ان کے لئے ہر وقت یہ موقع کھلا رہے کہ جب بھی ان اصولوں کی صحت و روح پر ان کا اطمینان ہو جائے وہ برابر کے حقوق کے ساتھ اپنی آزادانہ مرضی سے اس نظام کے شہری بن سکیں۔

یہ چیز جس کو ہم اصول انسانیت سے تعبیر کر رہے ہیں قومیت کی نفی نہیں کرتی بلکہ اسے اس کی صحیح فطری حد میں رکھتی ہے۔ اس میں قومی محبت کے لئے جگہ ہے مگر قومی تعصب کے لئے جگہ نہیں ہے، قومی خیر خواہی جائز ہے مگر قومی خود غرضی حرام ہے۔ قومی آزادی مسلم ہے اور ایک قوم پر دوسری قوم کے خود غرضانہ تسلط سے بھی سخت انکار ہے مگر ایسی قوم آزادی ہرگز تسلیم نہیں ہے جو انسانیت کو نا قابل عبور حدوں میں تقسیم کر دے۔ اصول انسانیت کا مطالبہ یہ ہے کہ اگرچہ ہر قوم اپنے گھر کا انتظام آپ کرے اور کوئی قوم من حیث القوم دوسری قوم کے تابع نہ ہو، لیکن تمام وہ قومیں جو تہذیب انسانی کے بنیادی اصولوں میں متفق ہو جائیں، ان کے درمیان انسانی فلاح و ترقی کے کاموں میں پورا تعاون ہو۔ مسابقت Competition کے بجائے معاونت ہو۔ باہم امتیازات اور تعصّبات اور تفریقیں نہ ہوں، بلکہ تہذیب و تمدن اور اسباب زندگی کا آزادانہ لین دین ہو اور اس مہذب نظام زندگی کے تحت زندگی بسر کرنے والی دنیا کا ہر انسان اس پوری دنیا کا شہری ہو نہ کہ ایک ملک اور ایک قوم کا۔ حتیٰ کہ وہ کہہ سکے کہ۔

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

موجودہ حالت کو ہم ایک قابل نفرت حالت سمجھتے ہیں جس میں ایک انسان نہ تو خود ہی اپنی قوم اور ملک کے سوا کسی دوسری قوم اور ملک کا وفادار ہو سکتا ہے اور نہ کوئی قوم اپنے افراد کے سوا دوسری کسی قوم کے افراد پر اعتماد کر سکتی ہے، آدمی اپنے ملک کے حدود سے باہر نکلتے ہی یہ محسوس کرتا ہے کہ خدا کی زمین میں ہر جگہ اس کے لئے رکاوٹیں ہی رکاوٹیں ہیں، ہر جگہ وہ چوروں اور اچکوں کی طرح شبہہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، ہر جگہ پوچھ گچھ ہے، تلاشیاں ہیں، زبان و قلم، نقل و حرکت پر پابندیاں ہیں اور کہیں اس کے لئے آزادی ہے نہ حقوق۔ ہم اس کے مقابلے میں ایسا عالمگیر نظام چاہتے ہیں جس میں اصولوں کی وحدت کو بنیاد بنا کر قوموں کے درمیان وفاق قائم ہو اور اس وفاق میں بالکل مساویانہ اور مشترک شہریت

Common Citizenship اور بے روک ٹوک آمد و رفت کا طریقہ رائج ہو۔ ہماری آنکھیں پھر ایک دفعہ یہ منظر دیکھنا چاہتی ہیں کہ آج کا کوئی ابن بطوطہ اٹلانٹک کے ساحل سے بحر الکاہل کے جزائر تک اس طرح جائے کہ کہیں بھی وہ میر Alien نہ ہو اور ہر جگہ اس کے لئے جج، مجسٹریٹ، وزیر یا سفیر بن جانے کا موقع ہو۔

۳۔ خلافت جمہور کا مفہوم

اب تیسرے اصول کو لیجئے ہم جمہوری حاکمیت کے بجائے جمہوری خلافت کے قائل ہیں، شخصی بادشاہی Monarchy اور امیروں کے اقتدار اور طبقوں کی اجارہ داری کے ہم بھی اتنے ہی مخالف ہیں جتنا موجودہ زمانے کا کوئی بڑے سے بڑا جمہوریت پرست ہو سکتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں تمام لوگوں کے یکساں حقوق، مساویانہ حیثیت اور کھلے مواقع پر ہمیں بھی اتنا ہی اصرار ہے جتنا مغربی جمہوریت کے کسی بڑے سے بڑے حامی کو ہو سکتا ہے ہم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ حکومت کا انتظام اور حکمرانوں کا انتخاب تمام باشندوں کی آزادانہ مرضی اور رائے سے ہونا چاہئے۔ ہم بھی اس نظام زندگی کے سخت مخالف ہیں جس میں لوگوں کے لئے اظہار رائے کی آزادی، اجتماع کی آزادی اور سعی عمل کی آزادی نہ ہو، یا جس میں پیدائش اور نسل اور طبقات کی بناء پر بعض لوگوں کے لئے مخصوص حقوق اور بعض دوسرے لوگوں کے لئے مخصوص رکاوٹیں ہوں۔ یہ امور جو جمہوریت کا اصل جوہر Essence ہیں، ان میں ہماری جمہوریت اور مغربی جمہوریت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اہل مغرب نے ہمیں سکھائی ہو۔ ہم اس جمہوریت کو اس وقت سے جانتے ہیں اور دنیا کو اس کا بہترین عملی نمونہ دکھا چکے ہیں جب کہ مغربی جمہوریت پرستوں کی پیدائش میں ابھی سیکڑوں برس کی دیر تھی۔ دراصل ہمیں اس نوخیز جمہوریت سے جس چیز میں اختلاف اور نہایت سخت اختلاف ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ جمہور کی مطلق العنان بادشاہی کا اصول پیش کرتی ہے اور ہم اس کو سبقت کے اعتبار سے غلط اور نتائج

کے اعتبار سے تباہ کن سمجھتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ Sovereignty صرف اس کا حق ہے جس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، جو ان کی پرورش اور بالیدگی کا سامان کر رہا ہے جس کے سہارے پر ان کی اور ساری دنیا کی ہستی قائم ہے اور جس کے زبردست قانون کی گرفت میں کائنات کی ایک ایک چیز جکڑی ہوئی ہے۔اس کی واقعی اور حقیقی بادشاہی ہو یا ایک قوم اور اس کے عوام کی۔ بہرحال وہ ایک غلط فہمی کے سوا کچھ نہ ہوگا اور اس غلط فہمی کی چوٹ کائنات کے اصل بادشاہ پر نہیں بلکہ اس احمق مدعی پر پڑے گی جس نے اپنی قدر خود نہ پہچانی۔اس حقیقت میں صحیح بھی یہی ہے اور نتائج کے اعتبار سے انسان کی بھلائی بھی اسی میں ہے کہ خدا کو حاکم مان کر انسانی زندگی کا نظام حکومت خلافت دنیابت کے نظریہ پر بنایا جائے۔ یہ خلافت بلاشبہ جمہوری ہونی چاہئے۔ جمہور کی رائے ہی سے حکومت کے امیر یا ناظم اعلیٰ کا انتخاب ہونا چاہئے انہی کی رائے سے اہل شوریٰ منتخب ہونے چاہئیں۔انہی کے مشورے سے حکومت کے سارے انتظامات چلنے چاہئیں۔ان کو تنقید و احتساب کا کھلا حق ہونا چاہئے لیکن یہ سب کچھ اس احساس و شعور کے ساتھ ہونا چاہئے کہ ملک خدا کا ہے، ہم مالک نہیں بلکہ نائب ہیں اور ہمیں اپنے ہر کام کا حساب اصل مالک کو دینا ہے۔ نیز وہ اخلاقی اصول اور وہ قانونی احکام اور حدود اپنی جگہ اٹل ہونے چاہئیں جو خدا نے ہماری زندگی کے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔ہماری پارلیمنٹ کا اساسی نظریہ یہ ہونا چاہئے کہ۔

۱۔جن امور میں خدا نے ہمیں ہدایات دی ہیں ان میں ہم قانون سازی نہیں کریں گے بلکہ اپنی ضروریات کے لئے کدا کی ہدایات سے تفصیلی قوانین اخذ کریں گے۔

۲۔اور جن امور میں خدا نے ہدایات نہیں دی ہیں ان میں ہم یہ سمجھیں گے کہ خدا نے خود ہی ہم کو آزادِ عمل بخشی ہے اس لئے صرف انہی امور میں ہم باہمی مشورے سے قوانین بنائیں گے۔مگر یہ قوانین لازماً اس مجموعی سانچے کے مزاج سے مطابقت رکھنے والے ہوں جو خدا کی اصولی ہدایات نے ہمارے لئے بنا دیا ہے۔

پھر یہ ضروری ہے کہ اس پورے نظام تمدن وسیاست کی کارفرمائی اور اس کا انتظام ان لوگوں کے سپرد ہو جو خدا سے ڈرنے والے اور اس کی اطاعت کرنے والے اور ہر کام میں اس کی رضا چاہنے والے ہوں۔ جن کی زندگی گواہ ہو کہ وہ خدا کے حضور اپنی پیشی اور جواب دہی کا یقین رکھتے ہیں' جن کی پبلک اور پرائیویٹ دونوں قسم کی زندگیوں سے یہ شہادت ملے کہ وہ بے لگام گھوڑے کی طرح نہیں ہیں جو ہر کھیت میں چرتا اور ہر حد کو پھاندتا پھرتا ہو بلکہ ایک الٰہی ضابطہ کی رسی سے بندھے ہوئے اور ایک حدا پرستی کے کھونٹے سے مربوط ہیں اور ان کی ساری چلت پھرت اسی حد تک محدود ہے جہاں تک وہ رسی انہیں جانے دیتی ہے۔

خود فیصلہ کیجئے

حضرات' یہ تینوں اصول' جن کی بہت ہی مختصر تشریح میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہے۔ موجودہ تہذیب کی قوم پرستانہ' لادینی' جمہوری حاکمیت کے مقابلہ میں ایک خدا پرستانہ' انسانی' جمہوری خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں اور اسی کا قیام ہمارا نصب العین ہے یہ بات تو آپ بیک نظر معلوم کر سکتے ہیں کہ ان دونوں نظاموں کے درمیان کیا' اختلاف ہے۔ اب یہ فیصلہ آپ کے اپنے ضمیر پر منحصر ہے کہ ان میں سے کون بہتر ہے' کس میں آپ کی فلاح ہے' جس کے قیام کا آپ کو خواہش مند ہونا چاہئے اور کس کے قائم کرنے اور قائم رکھنے میں آپ کی قوتیں صرف ہونی چاہئیں؟

مسلمانوں کا فرض

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان سے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ موجودہ زمانے کی بے دینی قومی جمہوریت تمہارے دین وایمان کے قطعاً خلاف ہے۔ تم اس کے آگے سر تسلیم خم کرو گے تو قرآن سے پیٹھ پھیرو گے' اس کے قیام وبقا میں حصہ لوگے تو اپنے رسول سے غداری کرو گے اور اس کا جھنڈا اڑانے کے لئے اٹھو گے تو اپنے خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرو گے۔ جس اسلام کے نام پر تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو اس کی روح اس

ناپاک نظام کی روح سے' اس کے بنیادی اصول اس کے بنیادی اصولوں سے اور اس کا ہر جزو اس کے ہر جزو سے برسرجنگ ہے۔ اسلام اور یہ نظام ایک دوسرے سے کہیں بھی مصالحت نہیں کرتے۔ جہاں یہ نظام برسراقتدار ہوگا وہاں اسلام نقشبر آب رہے گا اور جہاں اسلام برسراقتدار ہوگا وہاں اس نظام کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی تم اگر واقعی اسی اسلام پر ایمان رکھتے ہو جسے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے' تو تمہارا فرض ہے کہ جہاں بھی تم ہو اس قوم پرستانہ لادینی جمہوریت کی مزاحمت کرو اور اس کے مقابلے میں خدا پرستانہ انسانی خلافت قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرو۔ خصوصیت کے ساتھ جہاں تم بحیثیت ایک قوم کے برسراقتدار ہو وہاں تو اگر تمہارے اپنے ہاتھوں سے اسلام کے اصلی نظام کے بجائے یہ کافرانہ نظام ہے اور چلے تو حیف ہے تمہاری اس جھوٹی مسلمانی پر جس کا نام لینے میں تو اتنے بلند آہنگ اور جس کا کام کرنے سے تم اس قدر بیزار ہو۔

اس سلسلے میں جملہ معترضہ کے طور پر اپنے مسلمان بھائیوں سے مجھے ایک بات اور بھی کہنی ہے۔ بعض مذہبی جامہ پہننے والے لوگ آپ کو اس غلط فہمی میں ڈال رہے ہیں اور شاید خود بھی اس دھوکے میں ہیں کہ حکومت تو ایک انعام ہے جو نمازیں پڑھنے اور نیکیاں کرنے کے صلے میں خدا کی طرف سے ملا کرتا ہے' اس کے حصول کی کوشش محض دنیا پرستی ہے اور اس کو نصب العین بنانا خلاف اسلام ہے۔'' یہ باتیں جو لوگ کرتے ہیں انہوں نے اس معاملے کو سرے سے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی ہے۔ گر وہ برا نہ مانیں تو میں کہوں گا کہ وہ سمجھنا چاہتے بھی نہیں ہیں کیونکہ اس طرح وہ عیش منغض ہو جائے گا جو موجودہ نظام کی فرماں روائی میں ان کو حاصل ہے یا حاصل ہونے کا لالچ ہے یہ لوگ اس سارے معاملے کو انعام کے پہلو سے دیکھ رہے ہیں اور فرض کا پہلو ان کی نگاہ سے اوجھل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بے شک خلافت الٰہیہ کا قائم ہو جانا ایک انعام ہے مگر خلافت شیطانیہ کی جگہ اس کو قائم کرنا ایک فرض بھی ہے تاکہ خدا کے احکام اور اس کے حدود جاری ہو سکیں اور منکر کی جگہ معروف قائم ہو۔ تم

فرض سے جی چراتے ہو اور انعام کی امیدیں رکھتے ہو۔ یہ تم ہی کو مبارک رہے۔

غیر مسلموں سے اپیل

رہے غیر مسلم حضرات، تو ان سے میری خیر خواہانہ گزارش یہ ہے کہ براہ کرم اصول کے معاملے میں ان تعصّبات کے قفل اپنے دلوں پر نہ چڑھایئے جو پچھلی تاریخ اور آج کی قومی کشمکش کی وجہ سے ہمارے اور آپ کے درمیان پیدا ہو گئے ہیں۔ اصول کسی قوم کو آبائی جائیداد نہیں ہوتے، نہ ان پر کسی قومیت کا ٹھپہ لگا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اگر صحیح اور مفید ہیں تو سب انسانوں کے لئے صحیح اور مفید ہیں اور اگر غلط ہیں تو سب ہی کے لئے غلط ہیں۔ بلا لحاظ اس کے کہ کون ان کا پیش کرنے والا ہے اور کس زبان میں انہیں پیش کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حفظان صحت کے اصولوں میں، طب کے اصولوں میں، تجارت اور صنعت و حرفت اور زراعت کے اصولوں میں، سائنس اور دوسرے علوم و فنون کے اصولوں میں یہ سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا کہ وہ فلاں ملک اور فلاں قوم کی چیزیں ہیں اس لئے دوسرے ان سے تعصب کریں۔ آپ جس صحیح اصول کو قبول کرنے میں بھی تعصب سے کام لیں گے اپنا ہی نقصان کریں گے۔ بلکہ یہی معاملہ اخلاق، تمدن، معاشرت، تہذیب، معیشت اور سیاست کے اصولوں کا بھی ہے۔ یہ بھی درحقیقت غیر قومی اور غیر نسلی چیزیں ہیں۔ ان کو بھی ان کے اپنے حسن و قبح Merit ہی کے لحاظ سے قبول یا رد کرنا چاہئے۔ آپ صحیح اصول اختیار کریں گے تو اپنا بھلا کریں گے کسی پر کوئی احسان نہ کریں گے۔ غلط اصول کی پیروی کریں گے تو اپنا نقصان کریں گے کسی کا کچھ نہ بگاڑیں گے۔

آپ نے خود بھی دنیا کے دوسرے اصولوں کے معاملہ میں تعصب نہیں ہوتا ہے یہ لادینی، یہ قوم پرستی، یہ مغربی جمہوریت آپ کے پاس ان انگریزوں ہی کے ذریعہ سے تو آتی ہے جو دو سو برس آپ پر ظالمانہ حکومت کرتے رہے اور جنکے خلاف چالیس پچاس سال آپ آزادی کی جنگ لڑتے رہے۔ پھر ان دشمنوں کے لائے ہوئے اصولوں کو قبول کرنے

میں آپ نے کیوں تعصب سے کام نہ لیا؟ یہ سوشلزم اور کمیونزم جن کی طرف آپ میں سے بہت سے لوگ لپک رہے ہیں، جرمنی کے ایک یہودی دماغ سے نکلے اور روس میں پروان چڑھے۔ ان قوموں سے آخر آپ کا کیا رشتہ ہے؟ پھر آپ نے انہیں اجنبی کیوں نہ سمجھا؟ اگر ان کے معاملے میں آپ تعصب کو بالائے طاق رکھ سکتے ہیں اور اصول کو اصول ہی کی حیثیت سے دیکھ سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جو اصول ہم آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں ان پر غور کرنے میں یہ خیال آپ کی نظر و فکر کو الجھا دے کہ ان کے پیش کرنے والے لوگ ایک ایسی قوم کے افراد ہیں جس سے آپ کچھ تاریخی شکایات رکھتے ہیں یا جن کے ساتھ آج آپ کی لڑائی ٹھنی ہوئی ہے۔

ہم دلائل کے ساتھ ان غلط اصولوں پر تنقید کر رہے ہیں جو ہمارے نزدیک انسانیت کے لئے تباہ کن ہیں اور ان کے جواب میں وہ اصول پیش کر رہے ہیں جن کے اندر ہمیں اپنی، آپ کی، اور سب انسانوں کی فلاح نظر آتی ہے۔ آپ کھلے دل سے دیکھئے کہ آپ کا اپنا بھلائی الواقع کن اصولوں کی پیروی میں ہے، خود جانچ کر دیکھ لیجئے کہ خدا پرستی بہتر ہے یا بے دینی؟ قوم پرستی بہتر ہے یا انسانیت؟ جمہور کی مطلق العنانی بہتر ہے یا خدا کی بادشاہی کے تحت جمہوری خلافت؟ انسانی معاملات کی باگیں خدا سے بے خوف لوگوں کے ہاتھوں میں رہنی بہتر ہیں یا ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں جو خدا سے ڈرنے والے ہوں؟ اگر آپ کا دل گواہی دے کر یہ چیز جو ہم پیش کر رہے ہیں زیادہ صحیح اور نتائج کے لحاظ سے زیادہ اچھی ہے تو اسے اختیار کر کے آپ خود اپنی ہی خیر خواہی کریں گے۔

ایک عملی سوال

اس کے بعد صرف ایک عملی سوال حل طلب باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس خدا پرستانہ نظام کو چلانے کے لئے ہدایات کہاں سے حاصل کی جائیں؟ وہ خدائی قانون و دستور کون سا ہے جس پر ہم اپنی ریاست کی بنیاد رکھیں! بظاہر یہ سوال بہت پیچیدہ ہے،

کیونکہ جس آسانی کے ساتھ حکومت الٰہیہ رام راج یا Kingdom of God کے سادہ تصور پر لوگوں کے درمیان اتفاق ہوسکتا ہے اسی آسانی کے ساتھ کسی دستور و قانون کو خدائی دستور و قانون کی حیثیت سے قبول کر لینے پر اتفاق نہیں ہوسکتا لیکن یہ پیچیدگی ایسی سخت نہیں ہے کہ اسے کسی طرح رفع کیا جاسکتا ہو۔

اب یہ بات تقریباً طے شدہ ہے کہ ملک تقسیم ہوجائے' ایک حصہ مسلمان اکثریت کے سپرد کیا جائے گا اور دوسرا حصہ غیر مسلم اکثریت کے زیر اثر ہوگا۔ پہلے حصے میں ہم کوشش کریں گے کہ رائے عام کو ہموار کر کے اس دستور و قانون پر ریاست کی بنیاد رکھیں جسے ہم مسلمان خدائی دستور و قانون مانتے ہیں' غیر مسلم حضرات وہاں ہماری مخالفت کرنے کے بجائے ہمیں کام کرنے کا موقع دیں اور دیکھیں کہ ایک بے دین قومی جمہوریت کے مقابلے میں یہ خدا پرستانہ جمہوری خلافت' جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت پر قائم ہوگئی کہاں تک خود باشندگان پاکستان کے لئے اور کہاں تک تمام دنیا کے لئے رحمت و برکت ثابت ہوئی ہے دوسرے حصے میں آپ کی اکثریت اور ہماری اقلیت ہوگی۔ وہاں ہم آپ سے عرض کریں گے کہ خدارا دنیا کی بگڑی ہوئی قوموں سے وہ اصول نہ لیجئے جن کی وجہ سے وہ خود بھی خراب ہورہی ہیں اور دنیا کو بھی خراب کررہی ہیں۔ ان کے بجائے آپ پہلے یہ تین اصول مان لیجئے جن کو ہر زمانے میں خدا کے نیک بندے لے کر آئے ہیں' جنہیں آپ کے بزرگ بھی اس طرح پیش کرتے تھے جس طرح ہمارے بزرگوں نے پیش کیا تھا۔ پھر اپنے بزرگوں کی تعلیمات میں تلاش کیجئے کہ ان اصولوں کے مطابق ایک ریاست زمانہ حال کی ایک ترقی پذیر ریاست کا نظام چلانے کے لئے کوئی مفصل ہدایت ملتی ہے یا نہیں۔ رام چندر جی' سری کرشن جی' بودھ مہاراج' گورو نانک اور دوسرے تمام رشیوں اور منیوں کی تعلیم اور ان کی سیرتوں کا جائزہ لیجئے۔ ویدوں اور پرانوں اور شاستروں اور گرنتھوں کو دیکھئے' اگر ان میں کوئی ہدایت آپ کو ملے تو ہم کہیں گے کہ آپ ہندوستان کی ریاست کا نظام اس پر

قائم کیجئے اور ہم سے وہی برتاؤ کیجئے جو آپ کا دین ہمارے لئے تجویز کرتا ہے۔ ہم اس نظام کی مزاحمت نہیں کریں گے؟ اسے کام کرنے کا موقع دیں گے اور بغیر کسی تعصب کے یہ دیکھیں گے کہ آپ خدا پرستی و انسانیت اور خدا پرستانہ جمہوریت کی جو عملی تعبیر پیش کرتے ہیں وہ کہاں تک ہندوستان کے لئے اور کہاں تک دنیا کے لئے خیر و برکت کی موجب ثابت ہوتی ہے' لیکن اگر آپ اپنے ہاں ایسا کوئی مفصل ہدایت نامہ نہ پائیں تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ خدا نے آپ کے ہاں بھیجا نہیں تھا۔ بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اپنی طویل تاریخ کے انقلابات میں اسے یا اس کے ایک بڑے حصے کو آپ کھو بیٹھے ہیں' وہی چیز' اسی خدا کی بھیجی ہوئی' ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں' اس سے اپرائیے نہیں' یہ آپ ہی کی کھوئی ہوئی چیز ہے جو ایک دوسرے ذریعے سے آپ کے پاس واپس آئی ہے۔ آپ اسے پہچاننے کی کوشش کریں' اسے جانیں' پرکھیں' اور برت کر دیکھیں کہ اس میں واقعی آپ کی اور دنیا کی فلاح ہے یا نہیں۔

ختم شد

QuranUrdu.com